اسلامی اشتراکیت کے چند پہلو

ڈاکٹر دیطلف خالد، ابن السبیل ——— ترجمہ : ضیاء الحق

اسلامی اشتراکیت کیا ہے؟ اس تصور کا کوئی واحد اور مکمل نظریہ موجود نہیں ہے۔ اسلامی اشتراکیت کا ہر علم بردار اس کے بارے میں الگ الگ خیالات رکھتا ہے اور اس تصور کو مختلف معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان سب کا مقصود و منتہا ایک ہی ہے کہ معاشرہ میں ایک انسان پر دوسرے انسان کا استحصال ختم ہو۔ سائنسی اشتراکیت۔ (SCIENTIFIC SOCI-ALISM) کا بھی یہی مقصد ہے۔ اسی لئے سائنسی یا مارکسی اشتراکیت اور اسلامی اشتراکیت کے دعوے داروں کا اس بنیادی اور اہم اصول پر کوئی نظریاتی اختلاف نہیں۔ لیکن اس اعلیٰ مقصد کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟ یہاں سے نظریاتی اختلاف شروع ہوتا ہے۔

سائنسی اشتراکیت کا نظریہ اس استحصال کو ختم کرنے کا حتمی طریقہ یہ بتاتا ہے کہ وسائل پیداوار کی شخصی ملکیت کو یکسر ختم کر کے انھیں اجتماعی ملکیت کی تحویل میں دے دیا جائے۔ اجتماعی ملکیت سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہر قسم کی نجی ملکیت ختم کر دی جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف پیداوار کے ذرائع کو قومی ملکیت قرار دیا جائے۔ مارکسی نظریئے کے مطابق صرف اسی اساس پر معاشرتی پیداوار کا ایسا اشتراکی نظام قائم کیا جا سکتا ہے جس میں ایک انسان پر دوسرے انسان کا استحصال ناممکن العمل ہو۔

تاریخ اسلام میں تصورِ ملکیت کے متعلق ہم حضرت ابوذر غفاریؓ کے اس طرزِ عمل کا حوالہ دے سکتے ہیں جو صدرِ اسلام میں ظہور پذیر ہوا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب رہے۔ ابوذر غفاریؓ نے شخصی ملکیت کے خلاف آواز اٹھائی اور فقراء کے انقلاب

[redacted]

کا اعلان کیا تاکہ مساوات پر مبنی ایک معاشرہ قائم ہو سکے ۔ وہ زندگی بھر ویلٌ لِلاغنیاء من الفقراء کا نعرہ بلند کرتے رہے جس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے "کہ وہ اُس عتاب سے ڈرتے رہیں جو فقراء کے ردِ عمل کی وجہ سے اُن پر آنے والا ہے ۔"

"حاجت مندوں اور فقیروں کی حالت نہ سدھارنے اور ان کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے سرمایہ داروں کو تباہی اور عذاب کا سامنا ہو گا ۔" گویا یہ مالداروں کو تنبیہہ تھی ۔

لیکن حضرت ابوذر غفاریؓ کی بغاوت معاشرتی اور اجتماعی خطوط پر کوئی رہنمائی نہ کر سکی ۔ جذبۂ غفاری مختلف انقلابی تحریکوں تک ہی محدود رہا جو بار بار اپنی پوری قوت و شدت کے ساتھ اس جاگیر دارانہ (FEUDAL) نظام کے استبداد کے خلاف اُٹھتی رہیں جو قرآن کے صریح احکام کے خلاف قائم کیا جاتا تھا ۔ مقدس کتاب کی تعبیرات و تاویلات منطقِ ارسطو کے تحت ہونے لگیں ۔ اس استبدادی نظام کو بے شمار خانہ جنگیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا جن کے محرک عام طور پر مذہبی عناصر تھے ۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام ایک نظریئے کے اعتبار سے جس کا نقطۂ عروج مکہ کے بورژوا (وسائلِ پیداوار کے مالکین) کے خلاف جہاد تھا، کسی استحصالی نظام سے ہرگز مصالحت نہیں کر سکتا خواہ وہ نظام صنعتی دور سے قبل کا جاگیردارانہ نظام ہو یا بے لگام سرمایہ دارانہ نظام ۔

چودھویں صدی عیسوی کے مشہور مؤرخ اور علمِ معاشرت کے ماہر ابنِ خلدون نے تصوّرِ ملکیت کے معنی کو وسعت کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ اُس نے اس تصوّر کو صرف فقہ اور فلسفہ کی موشگافیوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اِسے صحیح معاشی اور معاشرتی حقائق کی بنیادوں پر رکھا ہے ۔ اس کے نزدیک ملکیت کے نظریئے کا تعلق اشیاء کی تقسیم، سیاسی قوت اور طبقات کی علیحدگی سے ہے ۔ ابنِ خلدون کی یہ تحقیق کئی اہم نکات کے لحاظ سے مستقبل کے معاشی اور معاشرتی مصلحین مثلاً پرودوں (PROUDHON) مارکس (MARX) اور اینگلز (ENGELS) کے نظریات کا پیش خیمہ معلوم ہوتی ہے ۔ ابنِ خلدون کے نزدیک مختلف درجات کی اشیاء کو ان کے استعمال کے لحاظ سے دیکھا جائے گا ۔ اگر کوئی شئے استعمال میں نہیں ہے تو وہ حقیقت میں کسی کی ملکیت میں نہیں آتی ——— اس کا مطلب یہ ہے کہ شئے کے حقیقی استعمال کو ترجیح دی جائے گی نہ کہ ملکیت کے فقہی اور قانونی حق کو جیسا کہ قانونِ روما میں ہے ۔ یہاں پر ابنِ خلدون حضرت ابوذر غفاریؓ سے متفق نظر آتے ہیں، لیکن وہ حضرت ابوذرؓ کی طرح

ملکیت کے خاتمے کا مطالبہ نہیں کرتے[1]۔ ان کے نزدیک ملکیت اخلاقی تقاضا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ ایک مفکّر انسانیت اور حقیقت پسند ہونے کی حیثیت سے یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ اس سے پہلے کہ کوئی مسلمان اپنے آسائش و آرام کا خیال کرے یہ لازم ہے کہ ہر انسان کی بنیادی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کیا جائے۔

سترھویں صدی عیسوی میں دہلی کے شاہ ولی اللہؒ نے سلطنتِ مغلیہ کے زوال کا ایک واضح اور صحیح تجزیہ پیش کیا۔ آپ نے اس دَور کے معاشی استحصال ظلم اور طبقاتی تقسیم سے پیدا ہونے والی معاشی تباہی کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ کارل مارکس اور اس کے نظریے سے خاصی مماثلت رکھتا ہے۔ لیکن اُن کو یا ان کی طرح کے دوسرے مسلمان مفکرین کو اشتراکی کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ جہاں تک اس مضمون نگار کی معلومات کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی مفکّر اپنے تجزیاتی درجے سے آگے نہیں بڑھ سکا، لیکن اِس تجزیئے کو اشتراکیت کی طرف اوّلین قدم سے ضرور تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جو کچھ تجاویز طبقاتی تقسیم اور استحصال کو مٹانے کے لئے کبھی پیش کی گئیں وہ خیالی پلاؤ پکانے والے مفکرین (UTOPIANS) کے خیالات سے آگے نہیں بڑھتیں۔ حال ہی میں "اسلامی اشتراکیت" کے عنوان سے جو مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے مندرجات پند و نصائح یا معاشرتی انصاف کے بارے میں خوش فہمی پر مبنی سوچ تک ہی محدود ہیں اور سائنٹیفک اور ٹھوس بنیادوں پر کوئی تجویز اور دلیل نہیں پیش کی گئی۔ اس رجحان کی چند مثالیں دی جاتی ہیں۔ شام کے مشہور عالم اور سابق وزیر اعظم ڈاکٹر معروف دوالیبی کا مضمون "اسلام، سرمایہ داری اور مارکسیت"، پاکستان ٹائمز میں حنیف حسین کا مضمون "اسلامی اشتراکیت کا نظریہ اور عمل"، محمّد سرور اور حکیم آزاد شیرازی کا مضمون "شاہ ولی اللہ اور اسلامی سوشلزم" جو لاہور کے ایک مجلہ نصرت کے اسلامی سوشلزم کے شمارے میں شائع ہوا۔

یہ تمام مضامین ایک ہی بات کو ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں جس سے کوئی انکار

۱۔ حضرت ابوذرؓ نے سرے سے ملکیت کے خاتمہ کا کبھی مطالبہ نہیں کیا تھا وہ تو "کنز" یعنی اپنی ضروریات سے زائد ایسی دولت جمع کرنے کے مخالف تھے جو فی سبیل اللہ مفادِ عامہ کے لئے خرچ نہ کی جائے۔ (مدیر)

نہیں کر سکتا کہ اسلامی تعلیمات کے بنیادی افکار میں سے معاشرتی انصاف پر خاص تاکید کی گئی ہے اور اسی وجہ سے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں جاگیردارانہ نظام کے خلاف تاریخ اسلام میں ہمیشہ انقلابات برپا ہوتے رہے۔ اسلام میں جو اصلاحی تحریکات ابھریں جہاں وہ غلط اعتقادات کی اصلاح کے لئے کوشاں رہیں وہاں معاشرتی عدل و انصاف پر بھی زور دیتی رہیں۔ بغیر مبالغے کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا ایک متواتر (RECURRENT) انقلاب موجود ہے۔ جب ہم متواتر کہتے ہیں تو ہم یقیناً مستقل انقلاب کے چینی تصور کے بہت قریب آجاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم مستقل اور انقلاب کی متضاد اصطلاحوں کو پسند نہیں کرتے۔ تاریخ میں معاشرتی اور مذہبی بغاوتوں خصوصاً شمالی افریقہ کی تحریک خوارج کی اباضی بغاوت کے تاریخی مظاہر کا مطالعہ کرنے کے لئے ایک علیحدہ تفصیل درکار ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیشتر ان تحریکوں کی عمر بہت مختصر تھی اور اکثر اوقات پہلی یا دوسری نسل ہی میں ان پر زوال آگیا اور ان کا مقصد مختلف ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے یہ تحریکیں ان اداروں کو پیدا کرنے میں ناکام ہو گئیں جو کسی طرح سماجی انصاف کی ضمانت دینے کے قابل ہوتے۔

اس لئے ہم یہ سوچتے ہیں کہ اسلامی ورثے میں، اشتراکی تجربے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس کے برخلاف وافر شہادت "معاشرتی فکر" کی ملتی ہے جسے جرمن زبان میں (SOZIALES DENKEN) کہا جاتا ہے۔ اور جسے بجا طور پر معاشرتی ذمہ داری کے احساس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

فی الحال اس معاشرتی ذمہ داری کے تصور کو جس کا مطالبہ اسلام کرتا ہے عام طور پر اشتراکیت کے تصور کے ساتھ خلط ملط کر دیا جاتا ہے جس کی وضاحت اُس بحث سے ہوئی ہے جو علامہ اقبالؔ کے الہیاتی سوشلزم کے متعلق اخبارات میں آئی ہے۔ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر جاوید اقبال نے بغیر کسی تردد کے، مارکسی مستشرقین اسمتھ اور مارک کے اُن خیالات کی تائید کر دی ہے جن میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ اقبالؔ اشتراکیت کو سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔ اس دعوے کے خلاف کوئی زیادہ ثبوت نہیں دیا جا سکا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اقبالؔ نے صرف اُس معاشرتی جمہوریت (SOCIAL DEMOCRACY) کے بارے میں کہا ہے جو اسلام کے مطابق ہو۔ جیسا کہ بعض اوقات کہا جاتا ہے۔ اقبالؔ نے کبھی اسلامی اشتراکیت کا نام نہیں لیا۔ اقبالؔ تو نام نہاد جمہوریت کے بھی قائل نہیں معلوم ہوتے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک اس نام نہاد جمہوریت، قوم پرستی (نیشنلزم) اور قابلِ نفرین استعماریت کو نیست و نابود نہیں کیا جاتا، انسان کبھی پُرامن اور

مطمئن زندگی نہیں گزار سکتا۔

جہاں تک معاشرتی جمہوریت کا تعلق ہے یہ اشتراکیت سے بالکل مختلف ہے۔ اسکنڈے نیویا کے ممالک میں جس معاشرتی جمہوریت کا عمل دخل ہے وہ آج کے مسلمان مفکرین کے معاشی تصورات سے ہم آہنگ معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان مفکرین کی طرح وہ ممالک بھی کیمونزم اور سرمایہ داری کی انتہاپسندی کے بین بین ایک درمیانہ راستے کے قائل ہیں۔

ہمارے اس خیال کو پروفیسر محمد عثمان کے مقالے ”اسلامی سوشلزم“ سے کافی تائید ملتی ہے، جو انھوں نے پاکستان کونسل راولپنڈی میں پڑھا تھا۔ فاضل مقالہ نگار سرمایہ داری اور اسلامی سوشلزم کے مخالفین کے دلائل کو رد کرتے ہوئے سابق صدر ایوب کی اسلامی سوشلزم کی تعریف کا حوالہ دیتے ہیں لیکن ایوب خان یہ کہتے ہیں کہ اسلامی سوشلزم صرف وسیع تر معنوں میں فلاحی مملکت کے مترادف ہے کیونکہ یہ تصور ہمارے تہذیبی اور مذہبی ورثے کے لئے مدافعت اور قوت کا باعث ہے۔

ایوب خان نے چند ہاتھوں میں دولت کے اجتماع کے خلاف اور سب کے لئے مساوی مواقع کے بارے میں جن باتوں کا اظہار کیا ہے وہ برطانیہ کی لیبر پارٹی یا مغربی یورپ کی کسی سوشل ڈیموکریٹ پارٹی کے منشور سے بخوبی اخذ کی جا سکتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خیالات قرآنی اخلاقی تعلیمات کے عین مطابق ہیں، لیکن اگر ان میں واقعی اشتراکیت جیسی کوئی خصوصیت شامل ہے تو وہ صرف اُسی قدر ہے جتنی جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی یا اسی قسم کی دیگر پارٹیوں کے منشور میں شامل ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں قدامت پسند طبقے کے اُس غیظ و غضب کی نوعیت بخوبی سمجھ میں آتی ہے جو وہ اسلامی اشتراکیت کے خلاف رکھتے ہیں۔ قدامت پسند یہ کہتے ہیں کہ جب ہم ایک ایسے نظریئے کو تسلیم نہیں کرتے ہیں جو مثال کے طور پر یوگوسلاویہ اور کیوبا کے سوشلزم کے برابر ہی ہو، اسلام اور اشتراکیت کا پیوند قابلِ فہم نہیں ہو سکتا، قطع نظر اس کے کہ وہ ان ممالک کے نظامِ اشتراکیت کے مخالف ہیں۔

قدامت پرستوں کے نزدیک چونکہ اسلام بھی معاشرتی انصاف کا تقاضا کرتا ہے اس لئے اسلام ہی کے نفاذ کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اسی لئے مصر کے سیّد قطب مرحوم نے اپنی کتاب کا نام العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام یعنی اسلام میں اجتماعی انصاف رکھا تھا۔ پھر قدامت پرست علماء میں بھی اشتراکیت کی تردید کے

بارے میں مکمل اتفاق نہیں ہے۔ مصطفیٰ السباعی اپنی کتاب کا نام اشتراکیۃ الاسلام رکھتے ہیں۔ وہ اسلامی معاشرتی انصاف کو اسلامی اشتراکیت کہنے میں کوئی تردد محسوس نہیں کرتے۔

'اسلامی اشتراکیت' کی بحث میں ڈاکٹر جاوید اقبال کے ایک حالیہ مقالے سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں اختلافی نظریات کے درمیان سمجھوتے کے لئے کوشش کی گئی ہے۔ وہ اسلام میں اسلامی اشتراکیت کے جدید اضافے کو جس کی کہ اسلام کو ضرورت نہیں ہے، ناپسند کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس اصطلاح کو محدود معنی میں استعمال کرنے کے حق میں ہیں جس کا مقصد اسلام کی تعلیمات کے ایک مخصوص پہلو کو اُجاگر کرنا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مسلمانوں نے اشتراکیت کی عام طور پر مسلّمہ تعریف کو بھی رد کر دیا ہے۔ اس کے برعکس انہوں نے اسلام کے اقتصادی نظام پر زور دیا ہے۔ سیکولر قوم پرستی، دستوریت اور وطنیت کی بت پرستی یا ملحدانہ اشتراکیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

ان جدید نظریات کی تعریفات متعین کرنے کے عمل سے بیسویں صدی کے پہلے ربع میں جدید اسلامی اصطلاحات کا رواج پڑا، جو اصطلاحیں عام طور پر رائج ہوئیں ان میں "اسلامی قوم پرستی"، "اسلامی دستوریت"، "اسلامی وطنیت" اور "اسلامی اشتراکیت" قابلِ ذکر ہیں۔

لیکن یہ اصطلاحات اس لئے وضع کی گئی تھیں کہ مسلمان اپنی تمدنی تاریخ کے کسی خاص پہلو کے اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت بسہولت کر سکیں۔ ان اصطلاحات کا مطلب اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا کہ اسلام ہی ان کی قوم پرستی ہے ان کی وطنیت، دستوریت اور اشتراکیت ہے —— یعنی اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات تھا، مذہبی اور سیاسی لحاظ سے بھی اور معاشی لحاظ سے بھی — لیکن یہ اصطلاحات پاکستان میں تقریباً متروک ہیں۔"

اس کے باوجود اس وقت ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہے کہ اس وقت بیشتر مسلم ممالک —— اشتراکیت کو اپنا چکے ہیں، جس کا مطلب خواہ کچھ بھی ہو۔ ان میں سے بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی اور سیاسی شعبوں کو بالکل علیحدہ علیحدہ رکھا جائے یعنی وہ مسلمان 'اشتراکی' ہیں۔ وہ مسلمان بھی ہیں اور اشتراکی بھی۔ حالاں کہ اس لفظی ترکیب سے کوئی مطابقت رکھنے والی امتزاجی ترکیب نہیں بنتی جس سے اس اصطلاح کا مفہوم [illegible] آسانی سمجھ میں آ سکے۔ لیکن بیشتر اشتراکی مسلم مملکتوں میں اسلام کو ایک سرکاری دین کی حیثیت حاصل

ہے جیساکہ متحدہ عرب جمہوریہ میں ہے۔ اور بعض اوقات اسلام اور اشتراکیت میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے اور اس کو اسلامی اشتراکیت کا نام دیا جاتا ہے لیکن اس میں کچھ احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ وہ مسلمان ملک جو ترقی پسند ممالک کی صف میں ابھی شامل نہیں ہوئے، مگر فطری طور پر ان ممالک کی طرف آس لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان ممالک کی اسلامی اشتراکیت کے خدوخال کو بغور دیکھا جائے۔

ہماری اس بحث کے مآخذ ان ملکوں کے سرکاری اعلامئے، مسلمان اشتراکی لیڈروں کے بیانات یا دوسرے الفاظ میں پارٹی لٹریچر اور کسی حد تک صرف ان ممالک میں رونما ہونے والے واقعات ہیں۔ اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اشتراکیت صرف معاشی نظام ہی تک محدود نہیں۔ یہ معاشرتی امداد باہمی کا ایسا نظریہ ہے جس کی رو سے امیروں اور غریبوں کے فرق وامتیاز کو مٹا کر مساوات پر مبنی ایک نظام قائم کیا جاتا ہے۔

اشتراکیت کو صرف اس نظام کی ایک مشینری ہی سے تعبیر نہیں کیا جاتا جو معاشی نظام کو قائم رکھنے کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:-

پہلا یہ کہ وہ اعلیٰ مقاصد اور اقدار کیا ہیں جو مسلمان اشتراکی ملکوں کی سیاسی زندگی پر حاوی ہیں اور وہاں کے لیڈروں کے لئے محرک ثابت ہوتے ہیں؟

دوسرے یہ کہ کیا ہم اِن مقاصد کو "اشتراکی" اقدار کہہ سکتے ہیں؟

روایتی طور پر چند اقدار ایسی ہیں جن کو دنیا بھر کے اشتراکیوں نے آفاقی تسلیم کیا ہے ــــ خواہ روایات اور ماحول کچھ بھی ہو، مقامی حالات جنہوں نے اشتراکی عقیدور کو جنم دیا یا ان عقیدوں پر مبنی اداروں کو وجود بخشا، کچھ بھی ہوں، اس میں شک نہیں کہ مقاصد میں کلی اتفاق موجود ہے۔ "اشتراکیت" چند نمایاں اقدار کے عقیدے کا نام ہے جو مساوات، باہمی تعاون، اجتماعی فلاح اور بین الاقوامیت پر مشتمل ہیں ــــ جیسا کہ ظاہر ہے یہ اقدار طبقہ بندی، مسابقت، انفرادیت اور خود پرستی کی ضد ہیں۔ سوویت روس کے ہاں اشتراکیت کی جو تعریف کی گئی ہے ــــ اُس میں بھی یہی روح کارفرما ہے۔

"مملکت کی قوت کے مالک مزدور ہیں۔ یہاں استحصال کرنے والے طبقات موجود نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی شخص دوسروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے ــــ معیشت کی منصوبہ بندی کی گئی ہے اور

اس کا بنیادی مقصد ایسے حالات پیدا کرنا ہے کہ انسان اپنی مادی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل بدرجۂ اتم کر سکے"

مسلمان اشتراکیوں نے بھی ایسے ہی باہمی تعاون و اخوت کے مقاصد کا اظہار کیا ہے۔ وہ عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ "اشتراکیت ایک ایسا طرزِ فکر ہے جس کی ضرورت اس لئے ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی فلاح و بہبود کو ملحوظ رکھیں"

اشتراکیت کی ممتاز خصوصیت بنیادی طور پر مساوات اور باہمی تعاون پر عقیدہ رکھنا ہے لیکن اِن مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت سے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، مغربی یورپ کے جمہوری اشتراکیوں اور قدامت پرست مارکسیوں اور کمیونسٹوں میں شدید اختلافات موجود ہیں۔ جمہوری اشتراکیوں کا کہنا ہے کہ کمیونسٹوں کے طرزِ عمل نے اِن مقاصد کو اس حد تک مسخ کر دیا ہے کہ بعض اوقات مارکس کے اُن تینوں نظریات کی نفی ہو جاتی ہے جو اُس کی تحریروں کی جان تھے — یعنی مساوات کو ایک جابرانہ معاشی اور سیاسی طبقہ بندی میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس کا نام "پرولتاریت کی آمریت" رکھا گیا ہے۔ انسانیت کو مستقبل کی ایک "موہوم جنّت" کے لئے یا پھر ایک واحد قوم کی قوت کی خاطر نظری اور عملی پہلوؤں سے محدود کر دیا گیا ہے — معاشیات اور سیاسیات پر سائنس کا جو اطلاق کیا جاتا ہے اس کے نتیجے میں، مادی ترقی اور تنظیم کی خاطر نظریاتی مفروضے وجود میں آئے ہیں۔ جمہوری اشتراکیت کے حامل، مارکس کے اعلیٰ مقاصد اور اس کے سرمایہ داری کے تجزیئے کا انکار نہیں کرتے۔ لیکن وہ مارکس کی پیش گوئیوں اور اس کے بتائے ہوئے اصلاح کے طریقوں کو آفاقی اور ابدی تسلیم نہیں کرتے۔ شاید ان کا بنیادی نظریاتی اختلاف مارکس کے اُس نظریئے سے ہے جس کا تعلق آنے والی کمیونسٹ جنّت، ایک مکمل غیر طبقاتی معاشرے اور ریاست کے خود بخود ختم ہو جانے سے تھا —

اصل میں جمہوری اشتراکیت کے نام لیوا بیشتر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قدامت پرست مارکسیوں نے خود ایک شدید قسم کا اپنا ردِ عمل (ANTI THESIS) سرمایہ دارانہ عمل (THESIS) کے جواب میں قائم کر لیا ہے۔ کمیونزم یہ ثابت نہیں کر سکا کہ وہ معاشرتی تصادم کا آخری ترکیبی عمل (SYNTHESIS) ہے جس کی پیش گوئی مارکس نے کی تھی۔ ایک ترکیبی عمل کو رونما ہونے سے پہلے اشتراکیت کے آفاقی مقاصد کے سائنسی اطلاق کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

اسلامی اشتراکیت اس طرح علمی دلچسپی کا سامان ہی مہیا نہیں کرتی بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتی ہے۔ اسلامی اشتراکیت کے تصوّر نے بیسویں صدی کے تجرباتی اور سائنسی دَور میں جنم لیا ہے۔ اس طرح یہ انیسویں صدی عیسوی کی اس رومانیت (ROMANTICISM) سے عام طور پہ خالی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے پیدا کردہ افلاس اور نظام سے پروان چڑھی تھی۔ اس لئے اس امر کا امکان ہے کہ اسلامی اشتراکیت کے علم برداروں میں ماضی کے سیاسی اختلافات و تصادم کی تلخی اس قدر نہیں ہوگی جتنی کہ اہلِ یورپ میں پیدا ہو گئی تھی۔ یہ امر بھی اُمید افزا ہے کہ اسلامی اشتراکیت، عالم اسلام کا دہ تیسرا بچہ ہے جو وطنیت (NATIONALISM) اور معاشی ترقی کے خیال کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔

اشتراکیت کا جذباتی پہلو اس امر سے تعلق رکھتا ہے کہ نادار طبقہ اہلِ ثروت سے اپنے حقوق طلب کرتا ہے۔ مسلمان ملکوں میں یہ حقیقت اور بھی تلخ ہے۔ عالم اسلام کو یہ احساس ہے کہ یورپ نے کئی صدیوں سے اس کا استحصال کیا ہے اور اُسے محرومی و ناداری کے قعرِ مذلت میں دھکیل دیا ہے اس لئے اب عالم اسلام یہ عزم کئے ہوئے ہے کہ ان خرابیوں اور محرومیوں کی تلافی کر کے ترقی کی طرف قدم بڑھائے۔ اس احساس سے کہ تمام مسلمان مفلس ہیں اسلامی اشتراکیت کچھ خاص صفات حاصل کر لیتی ہے جن سے یہ یورپ کی اشتراکیت سے ممتاز ہو جاتی ہے۔

عالم اسلام کے غریبوں کی ہیئت کذائی کیا ہو گی؟ نئے مقاصد کی خاطر جدوجہد سے اشتراکیت کا صورت کیا ہو گی؟ ان اُمور پر تین طریقوں سے بحث کی جا سکتی ہے یعنی معاشی ڈھانچے میں فوری تبدیلیاں پیدا کی جائیں، عالم اسلام کے ماضی کے سرمایہ دارانہ تجربات سے عبرت حاصل کی جائے وطنیت اور پان اسلام ازم کی تفسیر اشتراکیت کے ان نظریات کی روشنی میں کی جائے جن کا تعلق طبقاتی جنگ سے ہے۔

معاشی ڈھانچے میں فوری تبدیلی کے بغیر مسلمان ممالک بین الاقوامی سطح پر عزت و وقار اور سبقت حاصل نہیں کر سکتے۔ تونس کے صدر بورقیبہ نے کہا ہے: "یہ لازمی ہے کہ تونس کے اُن شہریوں میں وقار اور عزتِ نفس کا جذبہ پیدا کیا جائے جو افلاس و نکبت اور فاقہ مستی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں ــــ یہ بخوبی عیاں ہے کہ وہ فرانسیسی تسلط سے آزادی پا کر بہت خوش ہیں۔ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ اُنھیں اس بات کا احساس رہے کہ اُنہیں اپنی زندگی کے حالات و معیار کو

مند کرنا ہے تاکہ وہ دنیا کے ترقی یافتہ لوگوں کی طرح عزت سے جی سکیں ۔"

یہ مسئلہ صرف زیادہ مادی دولت کے حصول ہی کا نہیں بلکہ یورپ اور عالم اسلام کے درمیان جو تکنیکی فرق موجود ہے اُسے ختم کرنے کا مسئلہ بھی ہے۔ اس لئے بعض اوقات اشتراکیت کو انہیں مقاصد کے حصول کی خاطر سراہا جاتا ہے۔

" ہمارے ہاں اشتراکیت کلی اور مجموعی شکل میں انسانی معاشرے کی ایک ایسی عقلی تنظیم ہے جس کی تشکیل بہترین سائنسی اور جدید ترین کارکردگی کے طریقوں کے مطابق کی گئی ہے ۔"

احتمال یہ ہے کہ اس تعریف میں اور معاشی ترقی کے ناشست طریقے میں کوئی خاص فرق نمایاں نظر نہیں آتا۔ اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ "تکنیکی قابلیت اور کارکردگی سے کہیں بڑھ کر معاشرے کی فلاح صدر اول کے اسلام کی طرف مراجعت کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے ۔"

طبقاتی جنگ کے بغیر اشتراکیت

طبقاتی کش مکش کے کلاسیکی مارکسی نظریئے کو رد کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تین تحریکیں باہم مل جاتی ہیں۔ مسلم وطنیت جو استعماری نظام کے خلاف ایک سیاسی بغاوت کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسرے پان اسلام ازم، جو بین المملکتی اتحاد، مسلم مساوات اور اخوت قائم کرنے کی ایک خواہش ہے۔ اور تیسرے اسلامی اشتراکیت جو محروم طبقات کے حقوق کی نگران ہے۔ آزادی سے پہلے اور اس کے بعد سب سے بڑا جذبہ جو کارفرما رہا وہ اتحاد کا تھا۔ یعنی قوم کا اتحاد ـــ اُمت کا اتحاد ـــ ایک عالمی مسلم معاشرہ اور اس کے بعد تیسری دنیا یعنی ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے تمام افلاس زدوں کا اتحاد ـــ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جہاں کہیں مخالف ٹریڈ یونینیں موجود ہیں وہاں طبقاتی شعور کا احساس پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اور اس احساس کا تعلق اُس بڑھتی ہوئی خلیج سے ہے جو نئی حکومت کے مراعات یافتہ طبقے یعنی سرکاری افسروں، فوجیوں، سیاست دانوں کو، شہروں اور دیہاتوں کے پرولتاری یعنی جائداد سے محروم طبقوں، بے روزگاروں اور کام کاج سے محروم نوجوانوں سے دُور کر رہی ہے۔ تاہم یہ بات بھی حقیقت سے بعید نہیں کہ بیشتر مسلم ملکوں کے حالات ایسے نہیں ہیں کہ طبقاتی کش مکش شدت اختیار کر سکے۔ روسی نظریئے کے مطابق ترقی و تبدیلی کے نتیجے میں متعین معاشی طبقات کا پیدا ہونا فطری ہے۔ اور کسی حد تک ان کا باہم متصادم

[redacted]

ہونا بھی ضروری ہے۔ اکثر مسلمان اشتراکیوں کا جواب یہ ہے کہ "طبقاتی رقابتوں کو ایک اشتراکی طرز فکر ہی دُور کر سکتا ہے یعنی اتحاد کا ایسا احساس اور جذبہ جس کا اظہار ایک اور صرف ایک پارٹی کی شکل میں ہو جس کی ترکیب میں معاشرے کے مختلف حصے اور طبقے شامل ہوں۔"

ماضی میں سرمایہ داری کا تجربہ

لیکن اس تمام بحث سے اس امر کی وضاحت نہیں ہوتی کہ سرمایہ دارانہ نظام کو چھوڑ کر آخر اشتراکی نظام کو ترقی و تبدیلی کا بہترین طریقہ کیوں تصور کیا جائے؟

اس کی وجوہ کچھ تو تاریخی ہیں اور کچھ تجربی اور جذباتی۔ مسلمان ملکوں کے لئے سرمایہ داری کا تجربہ بہتر ثابت نہیں ہوا۔ سرمایہ داری کا تعلق استعماری طاقتوں سے رہا ہے، اور ان صنعتوں سے رہا ہے جن میں بنیادی اشیاء سے خوب استفادہ کیا گیا اور دوسری صنعتوں اور زراعت سے پوری طرح غفلت برتی گئی۔ بیشتر سرمایہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا اور صنعتوں کا بیشتر منافع باہر جاتا رہا۔ غیر ملکی نجی صنعتوں کے منافع سے مسلمانوں کو تقریباً محروم رکھا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معمولی استثناء کے ساتھ سرمایہ داری کے ذریعہ کوئی بڑا مراعات یافتہ طبقہ پیدا نہ ہو سکا۔ یہ تاثر قائم ہوا کہ سرمایہ داری کا اثر صرف یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک غیر ترقی یافتہ ممالک کی پیداوار کو سستے داموں خرید لیتے اور اپنی پیداوار کو مہنگے دام فروخت کر کے ان ملکوں کا استحصال کرتے ہیں۔

آخر کار استعماری حکمت عملی نے جو سرمایہ داری کی ہمرکاب تھی، اسلامی ثقافت پر کاری ضرب لگائی اور مسلمان، سماجی ناکہ بندی، معاشی بربادی اور قومی استحصال کا شکار ہو گئے۔

"انقلابی جمہوریت اور ایک پارٹی کی ریاست

مسلمان ملکوں میں جمہوریت اور پارٹی سسٹم کے خلاف جو نیا رجحان پیدا ہوا ہے، وہ جمہوری اشتراکیت کی منظر میں، ان ممالک کی اشتراکیت کا شاید سب سے حیران کن پہلو ہے۔ لیکن اس کا جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ سیاسی طرز عمل استعماری آمریت سے وراثت میں ملا ہے۔ اور پھر قبائلی تعصب کو ختم کرنے اور قومی اتحاد کو قائم کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ عوام ان پڑھ اور سیاسی اعتبار سے ناتجربہ کار ہیں، نیز ان ممالک کے لئے ایک مرکزی معاشی منصوبہ بندی نہایت اہم ہے۔ یہ سب کچھ صحیح۔ لیکن سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ مسلم وطنیت اور موجودہ معاشی پستی نے ایک قسم کے انقلا

سیاسی فکر کو جنم دیا ہے

باایں ہمہ، جب مسلمان اشتراکی انقلاب کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا مطلب "مارکسی انقلاب" نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد ایک ایسا تکنیکی انقلاب ہے جس کا مقصد ان کے اپنے ممالک کو بیسویں صدی کی ترقی کی دوڑ میں شامل کرنا ہے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں کہ وہ یورپ کے مارکسیوں کی طرح، عالم اسلام میں بھی انقلاب کے ذریعے اشتراکیت لانا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اشتراکیت کو ایک قسم کے ارتقائی اور تدریجی عمل سے مقبول و پسندیدہ بنا سکتے ہیں۔

اس کے باوجود اکثر اشتراکی مسلمان انقلابی طریقوں کو ترقی کے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ ان انقلابی طریقوں کا موازنہ نہ بآسانی اور بعض اوقات ابہام کی وجہ سے مارکسی انقلابیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حکمران پارٹی کو نہ صرف عوام کی رہنمائی و ہدایت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے بلکہ تنظیم، اتحاد نیز ریاست اور پارٹی کے تمام طبقوں اور درجوں میں یگانگت اور مطابقت پیدا کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

عام طور پر یہ پارٹی تمام لوگوں کے درمیان ربط و ضبط قائم رکھتی ہے۔ اس کا کام یہ بھی ہے کہ لیڈروں کو رائے عامہ سے واقف رکھے اور مخالف رائے کے پیدا ہونے میں مزاحمت کرے اور عوام کو لیڈروں کے خیالات و افکار سے مطلع کرے۔ اس بات کو صدر شیخ احمد طورے (SEKOU-TOURE) نے بہت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ "پارٹی غینی کے عوامی فکر کی نمائندہ ہے، یہ فکر اپنے بلند ترین درجے پر اور اپنی مکمل شکل میں ہے۔ پارٹی کی فکر ہمارے افعال و اعمال کو راہ دکھاتی ہے اور ان اصولوں کی نشان دہی کرتی ہے جو ہمارے طرزِ عمل، ہمارے اجتماعی اور انفرادی رجحان کو متعین کرتے ہیں۔"

انقلابی مسلم اشتراکیت کا یہ نظریہ اس خالص مارکسی تصور کے برعکس ہے جس کا پرچار سابق نوآبادیاتی ملکوں میں کیا جا رہا ہے اور جہاں مسلمانوں کو سیاسی زندگی سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ غانا کے سابق صدر انکروما تو اس حد تک نکل گئے کہ انہوں نے ایک خاص نظریاتی پارٹی کی بنیاد رکھی جو اگرچہ سوشلسٹ ہونے کی دعوے دار تھی لیکن اس کا مقصد قوم کو متحد کرنا نہ تھا بلکہ سرکاری حکمتِ عملی کے لئے تعلیم و تنظیم کو ذریعہ بنانا تھا۔ انہوں نے کہا تھا:

[redacted]

"سماجی اعتبار سے پارٹی کی تشکیل میں یکسانیت نہیں ہے اس لئے یہ خطرہ ہے کہ ہمارے اشتراکی مقاصد کو موقع پرست لوگ پورا نہیں ہونے دیں گے بلکہ ملک کو ان بورژوا عناصر کے حوالے کر دیں گے جو کسی طرح بھی ہمارے معاشرتی مقاصد کے لئے ہمدرد اور معاون ثابت نہیں ہو سکتے۔"

ترقی اور مساوات

بعض اوقات یورپین اشتراکیین اس بات پر بڑی حیرانی کا اظہار کرتے ہیں کہ آخر اشتراکی
ان تقسیم دولت کی بجائے پیداوار پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں۔

ایک اشتراکی مسلمان مفکر کے الفاظ میں "یورپ کی اشتراکیت کا مقصد دولت پر قبضہ کرنا اور
اسے تقسیم کر دینا ہے لیکن اسلامی اشتراکیت دولت پیدا کرنے کی اجتماعی کوشش ہے۔" اگرچہ
بین سوشلسٹ ان دونوں باتوں کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ جملہ
اہم حقیقت کی غمازی کرتا ہے جس سے مغرب کے اشتراکیوں کو اپنے معاصر مسلمان اشتراکیوں کو
ھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اب ہم دوبارہ غریبوں اور امیروں کے تعلق کی طرف آتے ہیں جو سوشلزم
تمام اصولوں کی روح ہے۔ یہ ملکیت اور آمدنی کا وسیع تفاوت ہی تھا جس نے یورپ کی
مایہ دار معیشتوں میں اصلاح کی ضرورت و اہمیت کو تقویت دی، اور ان حالات نے ایسے ذرائع
اداروں کو وجود بخشا جن کی مدد سے سوشلزم کی تعبیر ممکن ہو گئی یعنی مزدوروں کی آزاد اور مضبوط
نوں (TRADE UNIONS) کا قیام ممکن ہو گیا۔ حکومت نے معاشرے کے غریب طبقوں
فلاح پر پیسہ صرف کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ ایک خاص امیر طبقے کی فلاح کے بجائے عوام کی
ائی بہبودی کا نظریہ پیدا ہوا جو ذرائع پیداوار پر عوامی ملکیت کی صورت میں منتج ہوا۔

ان تمام اقدامات کا پہلا مقصد دولت کی از سر نو تقسیم تھا تاکہ مساوات پر مبنی معاشرہ قائم
سکے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ پیداوار کے لئے امداد باہمی کے طریقے اپنائے جائیں اور تیسرے یہ
قومی آمدنی میں مجموعی طور پر اضافہ و توسیع کی جائے۔

عالم اسلام کی معاشی حالت یہ ہے کہ یہاں ہر فرد، یورپ کے "اہل ثروت" کے مقابلے میں مفلس
ے۔ اس لئے بنیادی کام یہ ہے کہ قومی آمدنی کو بڑھایا جائے۔ اشتراکیت کے امداد باہمی اور مساوات
ے اصول اگرچہ اہم ہیں لیکن ان کی یہ اہمیت پیداوار کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہے۔ تونس کے ابن صلاح

[redacted]

نے اس بحث کو اس طرح ختم کیا ہے کہ "سچے اشتراکیوں کی نیت و مقصد یہ ہے کہ معاشرہ کو چاہیئے کہ پیداوار میں توسیع کرے۔ اِسے منظم کرے اور عدل و انصاف کے ساتھ اسے معاشرہ میں تقسیم کرے۔"

غیر جانب دار اشتراکیت

آخر میں یہ بات بھی اہم ہے کہ اسلامی اشتراکیت کو اس کے غیر جانب دارانہ ماحول میں [illegible] سکتا ہے۔ ایک [illegible] اظہار [illegible] شخص کا ایک جزو ہے جس کی عالم اسلام کو تلاش ہے۔ لیکن [illegible] اہم بات یہ ہے کہ یہ تعبیر ہے [illegible] حاجات و ضروریات کا جو مسلمان ملکوں کے مقامی [illegible] ہیں۔ ان ملکوں میں مارکس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ اس کے ہیں انسانیت پرستی ہے اور اس وقت جب کہ افریقہ اور ایشیا کے عوام غربت و افلاس [illegible] سے دوچار ہیں، یہ پیغام ان کے پژمردہ دلوں میں زندگی اور انقلاب کی روح [illegible] [illegible] تنظیم کو اپنا رہے ہیں جس کی وصیت کبھی مارکس نے اپنے پیروؤں [illegible] [illegible] تصور اشتراکی مسلمان کی انسدادی ضرورتوں کے عین مطابق ہے۔

مارکس کے وہ معاشی نظریئے جو ملکیت اور اشتراکی انقلاب کے امکانی عوامل سے تعلق [illegible] ہیں یا تو [illegible] کہ ان کی ضرورت باقی نہیں رہی یا پھر انہیں جزئی اور تجربہ [illegible] استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ سوشلسٹ مفروضوں کی اطاعت اور تاریخی نظریات کی کوئی معقول بات نہیں اور اشتراکی بلاک کی تقلید بھی چنداں قابلِ ستائش نہیں۔